National Press Urdu Literature Series No. 15.

MIR KE NASHTAR

BY

MASUD-UR-RAHMAN KHAN NADVI

میر کے نشتر

از

مسعود الرحمن خاں ندوی

ALLAHABAD
RAM NARAIN LAL
PUBLISHER AND BOOKSELLER

1930

"تہدیہ"

حضرات ہوش بلگرامی کے نام پر جن کی ادبی

سحر طرازیاں کم از کم میرے لئے افسوں کا حکم رکھتی

ہیں اُن کی ذات سے ادب اُردو کی بہت سی توقعات

وابستہ ہیں۔ ہاں انہی کے نام پر۔

مخلص

مسعود الرحمٰن۔ ندوی

پہلی بھیت

میر کی مختصر سوانح اور اُن کے کلام پر طائرانہ نگاہ

میر تقی نام میر تخلص میر عبداللہ جو شرفائے اکبرآباد (آگرہ) میں تھے آپ کے والد ہونیکا فخر رکھتے تھے۔ ۱۱۲۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ باپ کے انتقال کے بعد آگرہ کا یہ گوہر یکتا دلی گیا۔ دلی اُس زمانے میں سلطنت اسلامی سے وابستہ تھی مگر خانہ جنگیوں اور لوٹ مار کے ہنگاموں سے افسردہ و ملول تھی۔ وسائل معاش تنگ ہو چکے تھے۔ باوجود ان ہنگامہ آرائیوں اور الم ومصائب کے وضع داری، ذوق علم وفضل، اور اخلاق کے محاسن کے اعتبار سے اُس دور کے افراد انتہائی نمونہ تھے "انسانیت" کے شعراء۔ اُمراء غُرباء۔ ہر حیثیت اور تمدن کے افراد خدمت علم وفضل میں مشغول نظر آتے تھے۔ انہی میں ایک میر تقی میر بھی تھے۔ جو اخلاق۔ وضعداری محبت۔ اور خودداری سب ہی اوصاف کے مجموعہ تھے۔ خطرات ومصائب کے گوناگون حیثیتوں میں رہکر اپنی وضع پر قایم رہنا میر کا قابل افتخار کارنامہ ہے۔

دلی میں آئے جسکی بابت خود اپنے قلم سے نکلے ہوئے "تذکرۃ الشعراء" میں میر تحریر فرماتے ہیں۔

"فقیر متوطن اکبرآباد است بسبب گردش لیل و نہار از چندے
در شاہ جہان آباد ست"

اُس زمانے میں دلی سلطنت مغلیہ کا اجڑا ہو نقشہ پیش کر رہی تھی

اسی زمانے میں اکثر اہل فضل و کمال نے کس مپرسی کی مصیبت کو کاٹنے کے لئے دلی کو خیرباد اور لکھنؤ کو جو اس دور میں مرکز اہل علم تھا جا آباد کیا۔ میر بھی لکھنؤ پہونچے۔ ایک سرائے میں قیام ہوا۔ اسی دن ایک مشاعرہ کی اطلاع پاکر غزل کہی مشاعرہ میں شامل ہوئے۔ محفل مشاعرہ میں میر صاحب عجیب انداز و وضع سے تشریف لائے۔ لکھنؤ کے وضع دار اس انداز و قماش کے انسان کو دیکھکر مسکرائے۔ بعض نے بڑھکر وطن کی بابت دریافت کیا۔ میر نے فوراً غزل سے پیشتر ایک قطعہ پڑھا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو۔ ہمکو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب۔ رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کردیا۔ ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

نواب آصف الدولہ کو میر جیسے باکمال شاعر کا لکھنؤ پہونچنا معلوم ہوا تو دوصد روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر کردیا مگر میر کی خود دار طبیعت کبھی اس کی پابند نہیں ہوئی کہ دربار کی حاضری کی رسم کو پورا کیا جائے۔ طبیعت میں حد درجہ کا استغنائ و لاپروائی تھی جسکو دوسرے معنی میں نازک خیالی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ سے کسی بات پر بگڑ گئے آنا جانا چھوڑ دیا اخیر وقت تک اسی پر عمل رہا۔ فقر و فاقہ میں گذاری ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔ استاد ناسخ نے لاجواب تاریخ کہی۔

واویلا مرد شہ شاعراں

اخیر عمر لکھنؤ ہی کی سرزمین حسن و عشق اور وہاں کی رنگینیوں میں گذار دی گو خود فقر و فاقہ میں بسر کی۔ لکھنؤ کی مٹی مقدر میں تھی نشان قبر جو اغا میر اسٹیشن کے قریب ہے گرد راہ ہوچکا ہے۔ آج اگر میر جیسا انسان

یورپ میں وامریکہ میں پیدا ہوتا تو قدردانی واحترام کے جذبات فراوانی دیکھنے کی تھی۔ میر کی زبان کوثر کی دھلی ہوئی نہایت صاف کلام نہایت سلیس وسلجھا ہوا ساری عمر مصیبت وافکار میں بسر کی۔ شاعر کی زندگی زیادہ تر انہی آلام کا مجموعہ رہتی ہے اور خصوصاً ایشیائی شاعر۔ مگر فرق صرف اسقدر ہے کہ میر نے آپ بیتی کہی ہے اور دوسرے شعراء نے جگ بیتی کلام میں ایسا سوز وگداز ہے کہ خدا کی پناہ کسی شاعر کے کلام کا بڑا معیار اُسکی تاثیر ہے۔ میر کا ہر شعر دلمیں جاکر کھٹاک پیدا کرتا ہے۔ آج کہ ان کو اس دنیا سے گئے ہوئے مدت ہو چکی مگر اُن کے کلام میں وہی تازگی ہے جو اول دن تھی۔

شعر کی تاثیر کے متعلق علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور "مقدمہ" میں لکھا ہے "الشعر یاینبسط اوینقبض" شاعر کے شعر میں دو باتیں ہوتی ہیں یا تو سامع خوش ہوتا ہے یا رنجیدہ میر بھی اُس شعراء میں تھے جنہوں نے صرف ایک ہی کیفیت شعر سے اپنے کلام میں بحث کی ہے میر نے اپنے اشعار سے دنیا ر شاعری میں اک آگ لگادی ہے اور وہ وہ نشتر چبھوئے ہیں کہ معاذاللہ شاعری کیا ہے ؟ انسانی جذبات کو حسین الفاظ میں دنیا کے سامنے پیش کرنا حقیقی شعر وہی ہے جو ایک بادشاہ سے لیکر ایک دریوزہ گر گدا پر یکساں اثر و عمل کرے۔ یہ بات میر کی شاعری میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

یورپ کے بدنصیب نوجوان شاعر کیٹس (   ) کے اشعار کو پڑھیئے۔ غم والم کا آئینہ ہیں اُس نے صحیح معنی میں میر کا تتبع کیا ہے میر کا کلام انتہائی پُردرد و پُرتاثیر ہے جو سننے والوں کے دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے۔

مگر جہاں میر کا یہ منتخب کلام ہے وہاں اُنکی کلیات ہر طرح کی رطب و

ویاہیں سے بڑے ہیں جسکی بابت مولانا آزردہ کی رائے کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ "پستش بغایت پست وبلندش بغایت بلند است" یہاں پر بے موقع نہ ہوگا اگر مولانا حالی کی رائے جو انہوں نے شعراء کے متعلق ظاہر کی ہے لکھدی جاوے۔

"یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دنیا میں جتنے شاعر استاد مانے گئے ہیں یا جنکو استاد ماننا چاہیئے ان میں ایک بھی ایسا نہ نکلے گا جس کا تمام کلام اول سے آخر تک حسن ولطافت کے اعلیٰ درجے پر واقع ہوا ہو کیونکہ یہ خاصیت صرف خدا ہی کے کلام میں ہوسکتی ہے۔ شاعر کی معراج کمال یہ ہے کہ اس کا تمام کلام ہموار اور اصول کے موافق ہو اور کہیں کہیں اسمیں ایسا حیرت انگیز جلوہ نظر آوے جس سے شاعر کا کمال خاص وعام کے دلوں پر نقش ہوجاوے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ اس کے عام اشعار بھی خاص خاص اشخاص کے دلپر خاص خاص حالتوں میں تقریبًا ویسا ہی اثر کریں۔ جیسا کہ اس کا خاص کلام ہر شخص کے دلپر ہر حالت میں اثر کرتا ہے اور یہ بات اسی شاعر کے کلام میں پائی جاسکتی ہے جسکا کلام سادہ اور نیچرل ہو"

میر کی شاعری حالی کے مذکورہ خیالات کا آئینہ ہے۔ میر کے دور میں بڑے بڑے باکمال شعراء گذرے ہیں مثلاً۔ مظہر۔ سودا۔ درد۔ ابرو۔ مضمون۔ مصحفی۔ انشاء۔ وغیرہ وغیرہ مگر ان سب میں شہرت ودوام صرف میر جیسے باکمال کو حاصل ہے۔ اور وہ صرف اسوجہ سے

کہ میر کی شاعری بالکل ترجمان حیات وجذبات ہے۔
میر کے اُستادانہ کمال کے سب ہی قائل رہے۔ سودا جو اپنے دور کے اُستاد تھے میر کے متعلق لکھتے ہیں۔

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ ۔ ہونا ہے تجکو میر سے اُستاد کی طرح

غالب کہتے ہیں۔

ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب ۔ کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

دوسری جگہہ کہا ہے۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ ۔ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میر کے متعلق مفتی امیر احمد مینائی کی حقیقت آفرین رائے بھی ملاحظہ ہو

سودا و میر دونوں تھے کامل مگر امیر ۔ ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

اُستاد ذوق کا بھی ایک شعر سن لیجئے۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ۔ ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ان چند اشعار سے میر کی افضلیت اور کمال کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب کمال انسان میں ایک قسم کی خودداری پیدا ہو جاتی ہے جسکو عوام عجب و غرور سے منسوب کرتے ہیں۔ آج میر کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ اُردو کے کسی دوسرے شاعر کو نہیں مگر کسقدر افسوس وندامت کا مقام ہے کہ باوصف اس شہرت عام میر کے کلام کے متعدد ایڈیشن اسوقت تک موجود نہیں۔ ایک انتخاب جو انجمن ترقی اُردو کی جانب سے شائع ہوا ہے وہ از بس غنیمت ہے۔ اس کے مقابلہ میں غالب کے کلام کے اڈیشن آج بازار میں کسقدر کثرت سے مُہیا ہیں۔ اعاظم پرستی کا تھوڑا سا سودا اگر جی چاہے تو یورپ و امریکہ سے خرید لو۔
میر صاحب تصانیف بھی تھے اُردو میں ان کی متعدد مثنویاں اور ایک

فارسی میں دیوان یادگار ہے۔ میر کی ایک مشہور تصنیف "نکات الشعراء" لاجواب کتاب ہے جو ہندی شعراء کے حالات پر مشتمل ہے۔ اب تک نایاب تھی اب انجمن ترقی اُردو کے اہتمام سے شایع ہو چکی ہے۔ قابل مطالعہ تذکرہ ہے۔

میر کے کلام میں حرمان و مایوسی کے جو مناظر نظر آتے ہیں اُس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا ہر طرف یاس کا عالم تھا اس کیفیت کو میر کی طبیعت نے قبول کیا۔ ان کی شاعری دلی مایوسیوں کی زندہ تصویر ہے اسمیں شاعری کے چونچلے اور مبالغہ آمیز استعارات و کنایات نہیں بلکہ صاف صاف سادہ سادہ الفاظ میں قلبی کیفیت کو زیب کاغذ کیا گیا ہے۔

میر نے سراج الدین علیخان آرزو کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اور فیض صحبت اُٹھایا چنانچہ ایک موقع پر تذکرۃ الشعراء میں آرزو کی بابت لکھتے ہیں۔

استاد و پیر و مرشد بندہ است"

خواجہ عندلیب اور خواجہ میر درد کے باطنی فیوض سے بھی اکتساب کیا تھا خواجہ میر درد کے یہاں ہر مہینہ کی پندرھویں کو جو مشاعرے ہوتے میر اُس میں بھی شرکت کرتے تھے۔ خواجہ صاحب رح نے انداز طبیعت دیکھکر فرمایا۔

"میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد"

میر نے اکثر جگہ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ان کے کلام میں سوز واثر "درد" کا مرہون منت ہے۔

میر اپنی خودداری اور نازک مزاجی کے ہاتھوں خود بھی نالاں تھے

ان کی تمام تر زندگی رنج و تعب میں گذری خود ایک جگہہ فرماتے ہیں۔
مجھہ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے۔ درد و غم کتنے کیئے جمع تو دیوان کیا
افسوس کہ میر کو زندگی میں کسی ایک لمحہ کے لئے بھی خوشی و مسرت سے
ہمکنار ہونے کا موقعہ میسر نہیں آیا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ راحت و آرام
کس شئے کا نام ہے۔ ایک جگہہ کہتے ہیں۔
یہ میر ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا۔ انداز سخن کا سبب شور و فغان تھا
جادو کی پڑی پرچۂ ابیات تھا اسکا۔ منھ تکیئے غزل پڑھتے۔ عجب سحر بیاں تھا
جس راہ سے وہ دل زدہ دلی میں نکلتا۔ ساتھ اُسکے قیامت کا سا ہنگامہ رواں تھا
افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زدہ خاک۔ آندھی تھا۔ بلا تھا کوئی آشوب جہان تھا

غافل تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی کنج خرابہ میں نہان تھا

فاقے کیئے مصیبتیں جھیلیں۔ مصائب و آلام کا شکار رہے۔ مگر وضعداری
و خودداری کو ٹھیس پہونچانے والی کوئی حرکت عمر بھر عمل میں نہ آئی۔ خود
فرماتے ہیں۔
کیا کریئے بیاں مصیبت اپنی پیارے۔ دن عمر کے مرے غم میں گذرے سارے
رنج و ضعف و بلا مصیبت محنت۔ پنپا ہی نہیں تو ان دکھوں کے مارے
انکے حالات زندگی زمانے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و بصیرت
کا سرمایہ ہیں۔ طبیعت کے خلاف کبھی کوئی بات پسند نہیں کی۔
آلام و افکار ہمیشہ انسان کو با احساس بنا دیتے ہیں۔ یہی حال میر کا تھا
میر کے کلام میں آپ کو جا بجا کسو، کبھو، تلک، گزرتیاں، ساریاں
ہنکیں وغیرہ الفاظ ملینگے یہ الفاظ اپنے اثر و حلاوت کے لحاظ سے آج بھی

شیر و شکر ہیں خواہ زبان میں کتنی اصلاح ہو چکی ہو۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر یہ ہماری زبان ہے پیارے

ہر دور و وقت کی شاعری اپنے موجودہ وقت کے تمدن و تہذیب کو قبول کرتی ہے یہی حال میر کی شاعری کا رہا جسمیں تصنع و تکلف کی مطلق گنجائش نہیں۔ دلی اجڑ رہی تھی وہاں کی سوسائٹی مصائب و تکلیفات کی مکمل شکار تھی۔ سوسائٹی کی روایات، اور زمانہ کا چلن کسی ہستی کو بھی بغیر متاثر کئے نہیں چھوڑتی "آسکر وائلڈ" جو یورپ کے نوجوانوں میں عشرت و عیاشی کی تبلیغ کا ذمہ دار ہے اور جسنے اپنی ساری عمر جوانی کی رنگینیوں کے پامال کرنے اور حسن سے بُری طرح لطف اندوز ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اسکی شاعری سے متاثر ہو کر یورپ کے کتنے نوجوان زندگیوں کی سیاہ کارانہ اعمال سے سرمست و خانہ خراب ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے اُسے بھی جب کے اسکی عمر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا میر کا اتباع کرنا پڑا اور غم و الم حسرت و یاس سے "بقدر کام و دہن" اس نے بھی کام لیا اُسکے یہ آخری تاثرات اسکی قابل قدر تصنیف میں محفوظ ہیں جسکا نام ( ) ہے

میر کا سوز و گداز اُردو شاعری کے لئے سرمایۂ ناز ہے۔ چند اشعار پیش ہیں

اک ٹیس جگر میں اُٹھتی ہے کچھ درد سا دل میں ہوتا ہے

میں راتوں کو رویا کرتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے۔ دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

ہمارے آگے تیرا جب کسو نے نام لیا۔ دل ستم زدہ کو ہمنے تھام تھام لیا

شہر دل ایک مدت اجڑا بسا غموں سے۔ آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا

نامرادی کی رسم میر سے ہے۔ طور یہ اس جوان سے نکلا

داغ فراق حسرت وصل آرزوئے شوق۔ میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لیگیا

اجڑے نگر کو دیکھکے دل ہوں جب کبھو لہو۔ اب پھر بسے گی ایسی بستی خراب کیونکر
مذکورہ اشعار کو پڑھیئے اور اس تاثر درد کا اندازہ کیجئے جس سے میر جیسے جگر گداختہ کا دل زخمی ہے۔ ایک شاعر کے لئے اسکی ضرورت ہے کہ وہ اپنی شاعری سے واردات قلبی کا اظہار کرے جس سے سامع کے دلمیں اثر پیدا ہو "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" مشہور قول ہے اگر کسی شاعر میں سوز و گداز درد و خستگی کی کیفیتیں موجود نہیں ہیں تو اسکی مضمون آفرینی بالکل بیکار ہے
اس موقع کے لئے استاد غالب نے خوب کہا ہے
حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسدؔ۔ پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی
اب سوز و اثر پیدا کرنے کے لئے اسکی ضرورت ہے کہ شاعر عاشق مزاج ہو عاشق مزاجی سے عام بوالہوسی مراد نہیں جبکہ ایک شاعر جو عاشق مزاج ہو اُس کے لئے ضرورت ہے کہ اسکو عالم فطرت کے حسن پہ مجموعہ پیدا ہو

یہ محبت دراصل عشق مجازی ہے اصل و حقیقت تک رہبری کرتی ہے حسن
فطرت میں یہی نہیں کہ باغ۔ جو تبار۔ پہاڑ صبح و شام کے مناظرہ دیکھے جائیں
بلکہ انہیں حسن انسانی بھی داخل ہے۔ ایک انسان کا عشق انسان سے
خلاف فطرت نہیں۔ انسانی عشق کبھی کبھی انسان کو "فرشتہ" بھی بنا دیتا
ہے سیفیو (　　　　　) جو یونان کی ایک مشہور شاعرہ گذری ہے کسی
نوجوان یونانی سے عشق رکھتی تھی اور اُس کے ہاتھوں تباہ و برباد تھی
گلی کوچے اپنے عاشق کی تعریف میں غزلیں کہتی پھرتی آج یونان کی تاریخ
میں کوئی شاعر سوز و گداز اثر و درد میں سیفیو کے پائے کا نہیں اسکے مضامین
عشقیہ ایسے ہیں کہ جنہیں پڑھکر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سیفیو کے کلام
میں یہ درد و خستگی اور بشریت اُس کے صحیح عشق صادق کی وجہ سے تھی۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

غزل میں اثر و گداز اُس شاعر کے پیدا ہو سکتا ہے جو بالکل آزاد اور
دل گرفتہ ہو خلقت کے طعن و تشنیع سے بے پروا نازک خیال گداختہ دل اور
برشتہ جگر ہو میر میں یہ تمام وصف پوری طرح پائے جاتے تھے۔ اسوجہ سے
ان کا کلام ایک فریفتہ دل و دماغ کے لیئے آنسو ہی آنسو ہے۔ میر کی
جذبات نگاری ایسی مسلمہ حقیقت ہے جس سے چون و چرا کی گنجائش نہیں۔
دنیا کے اس دعویٰ کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ "واردات قلب و محبت" کی
ترجمانی میر سے بہتر کسی نے نہیں کی۔ اور عشق کی کیفیات کو اس سے بہتر
کسی نے نہیں سمجھا اسکا سارا کلام ایک "شعلہ جوالہ" ہے جو دم بھر میں پھونک
دیتا ہے۔ محبت کے متعلق بہت سے مشہور شعراء کے شعر زبان زد خلائق

ہیں اور سب میں زیادہ شیفتہ کا یہ شعر شہرت دوام حاصل کئے ہوئے ہے

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

حالی کا ایک مصرعہ بھی خوب ہے۔

خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

اب میر کہتے ہیں۔

محبت نے شاید کہ دی دلکو آگ ۔ دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف

کیا جانئے کہ چھاتی جلی ہے کہ دل کا داغ ۔ اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے

ابتدائی محبت کے حالات کو ایک مقام پر اس سے بھی زیادہ اثر انداز طریق پر بیاں کیا ہے۔

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن ۔ سینہ میں جیسے کوئی دلکو ملا کرے ہے

محبت کا آخری اسٹیج وہ ہے جہاں راز دل چھپانے کی قوت باقی نہیں رہتی اسی کیفیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے میر کہتے ہیں۔

نام اسکا حسن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے ۔ دلکا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا
پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج ۔ بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
کیا تنگ حوصلہ تھے دیدہ و دل اپنے آہ ۔ ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا
کب اسکا نام لیتے غش نہ آگیا مجھکو ۔ دل ستم زدہ کس وقت اپنی جا پہ رہا

یہ اور اسی قسم کے بہت سے اشعار میر کے نشتر ہیں جی نے چاہا کہ ان سب کو یکجائی طور سے ارباب ذوق کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ان کی

لطف اندوز ہونے کا موقعہ میسر آئے۔ خاکسار کو اپنی عدم استعداد و بے مائیگی کا یقین روز روشن کی طرح ہے لہذا میری کوتاہیاں اور لغزشیں قابل نظر اندازی ہیں۔

اختتام کلام پر سخت ناسپاسی ہوگی اگر میں ملک کے مشہور و نامور شاعر و ادیب "خاں صاحب" نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی ڈپٹی کلکٹر آناؤ (اودھ) اپنے محترم و قدرداں سخن کی اُس عزت افزائی و ذرہ نوازی کا بہ صمیم قلب منت پذیر نہ ہوں جو موصوف الصدر نے باوجود اپنی بیشمار مصروفیتوں میں منہمک رہکر "تعارف" کے عنوان سے چند سطور اور میر کا منتخب کلام اس سلسلہ میں پیش فرمایا۔ "کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید" شاید نامور شیراز نے اسی دن کے لئے کہا تھا۔ اس اعزاز پر راقم الحروف کی خوش قسمتی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ حضرت اثر کو کلام میر اور اُس کے متعلقات سے جو دلی تعلق و لگاؤ ہے وہ ہندوستان میں کسی دوسرے کو میسر نہیں۔ بقول میرے ایک دوست کے کہ ہندوستان میں حضرت اثر مدظلہ العالی، میر کے ایک زبردست "پرستار" کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں لاریب کہ میر کا کلام جو بعض مختلف پیچیدہ بحور پر مشتمل ہے اسکو بھی اگر کسی نے اچھے انداز و سلیقے کے ساتھ مطالعہ کیا ہی تو وہ صرف حضرت اثر کی تنہا ذات ہے۔ میر کے سلسلہ میں متعدد تحریرات محترم اثر صاحب کے قلم سے ملک کے معزز جرائد میں شایع ہوچکی ہیں جس سے میر کی شاعری پر بیش بہا معلومات روشنی پڑتی ہے۔ میر کی جذبات نگاری کو سمجھنے کے لئے اثر جیسے نازک دل و دماغ کی ضرورت تھی۔ قدرت نے ایسے حسین و حساس قلب و جذبات بہت کم انسانوں کو ودیعت کئے ہیں۔

ان چند سطور کے ساتھ جسمیں میر کے کلام پر مختصر تبصرہ کلام کا اثر و درد
سے مملوئیت اور اثر کے ساتھ اظہار عقیدت و شکر گذاری پر اختتام ۔

مسعود الرحمن خان ندوی

پھیلی بھیت
۱۹۲۹ء

——— ٭٭٭ ———

انتخاب

میر

کے اشعار

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کام کیا۔ دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند۔ یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی۔ چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیئے۔ بھولے اس کے قول و قسم کو ہائے خیال خام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتوان مارا گیا۔ سب کہیں گے یہ کہ کیا؟ اک نیم جان مارا گیا

وصل و ہجران یہ جو دو منزل ہیں راہ عشق کی۔ دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا

جس نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالہوس۔ وہ سراپا آرزو آخر جوان مارا گیا

کب نیاز عشق۔ ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میر سر بہ آستاں مارا گیا

———...———

دردمندوں سے تمہیں دور پھرا کرتے ہو کچھ - پوچھنے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس
داغ ہوتا نظر آتا ہے دلوں کا آخر - یہ جو اک خال پڑا ہے ترے رخسار کے پاس
کیا دکھا کرتے ہو آئینے سے خلوت ہردم - ٹک کبھو بیٹھو کسو طالبِ دیدار کے پاس

بوئے خون آتی ہے باد صبحگاہی سے مجھے - نکلی ہے بید رو ہو شاید کسی گھائل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو
اے ستمکش میر - ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

دل پر خون ہے یہاں تجھکو گماں ہے شیشہ - شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ
شیشہ بازی تو تنک ایک دیکھنے آ - آنکھوں کی - ہر مژہ پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ
جاکے پوچھا جو میں یہ کارگہ مینا میں - دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لاگے کہ کدھر پھرتا ہے بہکا اے مست - ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ ایک وقت میں جمع کرکے گداز - شکل شیشہ کی بنائی ہے کہاں ہے شیشہ

کبھو میر اس طرف آکر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے - خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ لوٹ جاتا ہے
خرابی دلکی کیا اتنی وہ درد و غم سے پوچھو ہو - وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لوٹ جاتا ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے - میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم - سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ - سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدے کرتی ہے کرتی گئی - حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے - نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

رکھو آرزو ے خام کی کرو گفتگو خط جام کی
کہ سیاہ کاروں سے حشر میں نہ حساب ہے نہ کتاب ہے
ہرا شور سنکے جو لوگوں نے کہا، پوچھنا، تو کہے ہے کیا
جسے میر کہتے ہیں صاحبو یہ وہی تو خانہ خراب ہے

کرو توکل کہ عاشقی میں نہ یوں کرو گے تو کیا کرو گے
الم جو یہ ہے تو دردمند و کہاں تلک تم دوا کرو گے
جہاں کی مسلخ، تمام حیرت، نہیں ہے تسپیر نگہ کی فرصت
نظر پڑے گی بسان بسمل کبھو جو مژگاں کو وا کرو گے
اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہو کر اڑا کرو گے
بلا ہے ایسا تپیدن دل کہ صبر اسپر ہے سخت مشکل
دماغ اتنا کہاں رہیگا کہ دست بر دل رہا کرو گے
اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موے گئے پر کبھو ہمارے
جو یاد ہمکو کرو گے پیارے تو ہاتھ اپنے ملا کرو گے
غم محبت سے میر صاحب پتنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

صبح وہ آفت اٹھ بیٹھا تھا، تمنے نہ دیکھا صد افسوس
کیا کیا فتنے سر جوڑے، پلکوں کے سارے سارے گئے
اللہ ری یہ دیدہ درائی ہوں نہ مکدر کیوں کے ہم
آنکھیں ہم سے لڑائے گئے پھر خاک میں ہمکو ملائے گئے

کرتے ہو تم نیچی نظریں، یہ بھی کوئی مروت ہے
برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو
کیا کیا اپنا لو ہو پینگے، دم میں مرینگے دم میں جئینگے
دل جو بغل میں رہ نہیں سکتا اسکو کسو سے لگانے دو
اسکی بہت ہے شور بہاراں ہمکو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں دہومیں ہمیں بھی مچانے دو
عرصہ کتنا سارے جہاں کا، وحشت پر جو آجاویں
پاؤں تو ہم پھیلا دینگے پر فرصت ہمکو پانے دو
سنیا جاتا ہے اسمیں ہمارا ہم تو چپکے بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ناصح کو سمجھانے دو
ضعف بہت ہے میر تمہیں، آج اسکی گلی میں مت جاؤ
صبر کرو کچھ اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو
بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں
فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہہ لانے دو

جی کی لاگ بلا ہے کوئی، دل جینے سے اٹھا بیٹھو
ہو کے فقیر، گلی میں کسو کی رنج اٹھانے جا بیٹھو

چاہ میں دل پر ظلم و ستم ہے، جور و جفا ہے کیا کیا کچھ
درد و الم ہے، کلفت و غم ہے، رنج و بلا ہے کیا کیا کچھ

ہائے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ
جان عزیز گئی ہوتی کاش اسکے سال بہار کے ساتھ
وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اُس سے
چاہ لگلتی تھی باتوں سے چتوں بھی تھی پیار کے ساتھ
دیر سے ہیں بیمار محبت، ہم سے قطع امید کرو
جائیں ہی جاتے دیکھی ہیں ہمنے آخر اس آزار کے ساتھ

بال کُھلے وہ شاید شب کو بستر ناز پہ سوتا تھا۔ آئی نسیم صبح جو ایدہر پھیلا عنبر سارا ہے

ہم دیکھیں تو دیکھیں اُسے پھر پردہ بہتر ہے یعنے
اور کریں نظارہ اُسکا ہم کو یہ منظور نہیں

بڑے بڑے تھے گھر جنکے یاں آثار اُنکے یہ ہیں اب
میر شکستہ دروازے ہیں، گری پڑی دیواریں ہیں

آنکھ لگی ہے جب سے اُسی سے، آنکھ لگی زنہار نہیں
نیند آتی ہے دل جمعی میں سو دل کو تاب و قرار نہیں
وصل میں اُسکے روز و شب کیا خوب گزرتی تھی اپنی
ہجراں کا کچھ اور ہے ساماں اب وہ لیل و نہار نہیں
خالی پڑے ہیں دام سبھی، یا صید وحشی صید ہوئے
یا جس صید افگن کے لئے تھے اُسکو ذوق شکار نہیں

لطف عمیم اُسکا اے ہمدم کیوں نہ غنیمت جانیں ہم
ربط خاص کسو سے اُسکو ہو یہہ تو طور یار نہیں

جب ملنے کا سوال کروں ہوں زلف و رخ دکھلاتے ہو
برسوں مجھکو یوہیں گذرے صبح و شام بتاتے ہو
بکھری ہیں منہ پر زلفیں آنکھہ نہیں کھل سکتی ہے
کیونکہ چھپے میخواری شب جب ایسے نیند کے ماتے ہو
سرو تہ و بالا ہوتا ہے درہم برہم شاخ گل
ناز سے قد کش ہو کے چمن میں ایک بلا تم لاتے ہو
جن نے تمکو دیکھا ہو وے اُس سے آنکھیں مارو تم
ایک نگاہ مفتن کر تم سنو سنو فتنے اُٹھاتے ہو

مت پوچھو کچھہ اپنی باتیں کہیے تو تمکو ندامت ہو
قد و قامت یہ کچھہ ہے تمہارا لیکن قہر قیامت ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوانے دو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں تم بھی آؤ جانے دو
جان سلامت لے کر جاوے کعبے کو تو سلام کریں
ایک جراحت اُن ہاتھوں کا صید حرم کو کھانے دو
جب سے جدا میں اُس سے ہوا ہوں حال عجب ہے روز و شب
چشم تر سے ٹپکے ہیں آنسو خشک لبوں پر آہیں ہیں

یہ بھی سماں، خوش ترکیبوں کا میر نہ اپنے دل سے گیا
سوتے سے اٹھکر آنکھیں ملتے ہیں لے انگڑائی جماہیں ہیں

عشق نے ہمکو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں
دل کو خیال صبر نہیں، آنکھوں کو میل خواب نہیں
کوئی سبب ایسا ہو یارب جس سے عزت رہ جاوے
عالم میں اسباب کے ہیں، پر پاس اپنے اسباب نہیں
خط کا جواب نہ لکھنے کی کچھ وجہ نہ ظاہر ہم پہ ہوئی
دیر تلک قاصد سے پوچھا منہ میں اُسکے جواب نہیں
رنگ شکستہ، دل ہے شکستہ، سر ہے شکستہ مستی میں
حال کسو کا اپنا کا سا اس میخانے میں خراب نہیں

رنگ نہ بدلے چہرہ کیونکر آنکھیں نہ بیٹھی جاویں کیوں
کیسے کیسے غم کھاتے ہیں، کیا کیا رنج اُٹھاتے ہیں
جی ہی جائے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج طرف کعبے کے بہتیرا ہم لاتے ہیں

دل کی تقصیر نہیں ہے آنکھیں اس سے لگ پڑیاں
مار رکھا سو اُن نے مجھکو کس ظالم سے لڑیاں
جی مارا بیتابی دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں
رنگ پریدہ کی شوخی سے منہ پر میرے رنگ نہیں

وہ جو خرام ناز کرے ہے ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے دل ہے میر اسنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں اتنے بھی دل تنگ نہیں
شعر میر بھی پڑھتا ہے تو اور کسو کا لیکر نام
کیونکر کہئے اس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

چاک ہوا دل ٹکڑے جگر ہے لوہو روئے آنکھو نسے
عشق نے کیا کیا ظلم دکھائے دو دن کے اس جینے میں
گوندھ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے
رنگ بدن کا تب دیکھو جب چولی بھیگے پسینے میں
میر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشک خونیں کو
کہئے اگر تقصیر ہوئی ہو اپنا لوہو پینے میں

شور نہیں یاں سنتا کوئی میر قفس کے اسیروں کا
گوش نہیں دیوار چمن کے گل کے شاید کان نہیں

...

یوں ناکام رہینگے کب تک جی میں ہے اک کام کریں
رسوا ہو کر مارے جاویں اسکو بھی بدنام کریں

تعارف

جناب مولوی مسعود الرحمن خانصاحب نوری سے نہ صرف ذاتی و خاندانی
مراسم ہیں بلکہ اس وجہ سے بھی مجھکو عزیز ہیں کہ نہایت صاف ستھرا ادبی ذوق
رکھتے ہیں اور آج کل کے دوسرے نوجوانوں کے برخلاف انکا مطالعہ وسیع اور
طبیعت سنجیدہ ہے۔ چنانچہ مختلف موضوع پر انکے مضامین زینت رسائل ہوتے
رہتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں انہوں نے میر کے "نشتر" جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔
نشتر ایسے اشعار کو کہتے ہیں جو سنتے ہی دل میں اتر جائیں اور منہ سے بے اختیار
آہ یا واہ نکل جائے۔ عام طور پر میر کے بہتر "نشتر" اور سودا کے بہتر ہجو مشہور ہیں
اسکی ابتدا کس سے اور کیونکر ہوئی اور یہ نشتر و ہجو کب انتخاب کئے گئے۔
انکی نوعیت انکا مذاق ہے اور یہ وہ اختلافی ہیں۔ اختلاف طبائع کے ساتھ
ساتھ ایسے شعروں کے انتخاب میں اختلاف ناگزیر ہے ممکن ہے کہ ایک
شخص ایک شعر کو نشتر گردانے دوسرا انتخاب کے قابل بھی نہ سمجھے بہر حال شعر
ایسے بھی ہونگے جن پر سب کی نظر انتخاب پڑے گی۔

یہ سچ ہے کہ میر کی طویل عمر اندوہ و مصائب و غم میں بسر ہوئی جس نے
انکی طبیعت میں حزن و اضمحلال اور انکے کلام میں درد و خستگی پیدا کر دی تھی
مگر نفسیات کا یہ ناقابل تردید مسئلہ ہے کہ انبساط و الم لازم و ملزوم ہیں

اور کوئی انسان جو دیوانہ نہو ایسا نہیں جسمیں صرف خوشی بغیر تحریک غم یا غم بغیر امتزاج خوشی پایا جائے البتہ بعض طبائع میں خوشی کی لئے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بعض میں غم کا غلبہ ہوتا ہے۔ دونوں کیفیات ہیں تو اتر کی شان پائی جاتی ہے، غم کے بعد خوشی اور خوشی کے بعد غم کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غم میں اپنے آپ کو فنا کرنے کی اور خوشی میں اپنے آپکو قایم رکھنے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے۔ انتہائے غم میں ہنسی آ جاتی ہے اور انتہائے خوشی میں آنسو نکل پڑتے ہیں اور صرف خوشی یا صرف غم جنون کا پیش خیمہ ہے۔

شاعر اگر دراصل ترجمان فطرت ہے شعر کہتے وقت خوشی و غم دونوں سے بالا ہوتا ہے، اُسوقت وہ ایسے عالم میں ہوتا ہے جہاں ہر جذبہ ہر احساس ہر مشاہدہ ہر تجربہ ایک جداگانہ ہستی نظر آتا ہے اور شاعر اُنکا تجزیہ کرتا ہے اُسکے بعد اُسکی تخئیل کا موقلم مصوری میں مشغول ہوتا ہے۔ شاعر خوشی کی خوشی اور غم کا غم نہیں کرتا بلکہ اُنکی حقیقت بیان کرتا ہے۔ اس عالم میں اُسکے ذاتی احساسات خوشی و غم معطل رہتے ہیں۔ اگر تخئیل کا عمل ایسے جذبہ یا واقعہ پر ہوا ہے جس کی انفعالی کیفیت خوشی ہے سامع کو خوشی ہوگی اگر غم ہے تو غم ہوگا مگر افتاد طبیعت یہاں بھی رنگ دکھلائے گی۔ کسی کے یہاں حزن زیادہ پایا جائیگا کسی کے یہاں انبساط۔

داغ رنگین مزاج اور چونچلے کے شعر کہنے والا تھا مگر اُنہی کا یہ مطلع بھی ہے ؎

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا — ہائے طبیعت تجھے کیا ہو گیا

مگر روز و غم کو جمع کرکے دیوان کرنے والا امیر کہتا ہے ؎

دل پرخوں کی اک گلابی سے — عمر بھر ہم رہے شرابی سے

فرق اتنا ہے کہ ایک خوشی کا غم کرتا ہے اور دوسرا غم کی خوشی۔

میر کی شاعری کی جولانگاہ اسقدر وسیع ہے کہ ایک مدت سے مطالعہ کر رہا ہوں مگر ابتک اُسکے تمام پہلوؤں پر عبور نہیں ہوا، ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی نئی بات نکلتی ہے۔ اُسکی غزلیں جو بحر متقارب و متدارک یا دیگر شکستہ بحروں میں ہیں بجائے خود ایک کارنامہ ہیں میں چاہتا ہوں کہ یہاں اُنکا ایک مختصر انتخاب شامل کرکے اس "تعارف" کو جو کسی نہج سے تعارف نہیں ہے ختم کردوں۔

اس انتخاب میں بعض شعر وہ بھی آجائینگے جو مسعود الرحمٰن خانصاحب ندوی کے "نشتروں" میں شامل ہیں۔ انکو قند مکرر سمجھئے۔ ان اشعار میں غضب کی گھٹکار ہے مگر بعض بحریں ایسی ہیں کہ عروض سے واقفیت کے بغیر بہت کم لوگ موزوں پڑھ سکتے ہیں۔

اثر لکھنوی

(اثر خامہ ادیب لبیب "خانصاحب" نواب مرزا جعفر علی خانصاحب اثر قایم مقام ڈپٹی کمشنر اناؤ اودھ)

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھی، جاگے، صبح ہوئی آرام کیا
حرف نہیں جاں بخشی میں اُسکی، خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

کس کا قبلہ کیسا کعبہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا

ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

بات کہے تلوار لگا لے آنکھ لڑا اسے جی مارے
کیونکے جتا دے اس سے کوئی ربط محبت پیار اپنا
ہم کیا کر اطلاع کیا کر، پوچھ کیا کر (کیونکر)، آخر ہے
میرا اپنا غمخوار اپنا، ہمراز اپنا، بیمار اپنا

عشق تو بن رسوائی عالم باعث ہے رسوائی کا
میں دلی اُس خودسر سے ہے جو ماتا ہے خدائی کا
کوشش میں سر مارا لیکن در پہ کسی کے جا نہ سکا
تن پہ زبانِ شکر ہے ہر مو اپنی شکستہ پائی کا

کیا پوچھو ہو کیا کہئے میاں دل نے بھی کیا کام کیا۔ عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تمام کیا
عجز کیا سو اُس مقصد نے قدر ہماری یہ کچھ کی۔ تیوری چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے + آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا پیغام کیا
میر جو اُن نے منہ کو ادھر کر شرم سے کوئی بات کہی۔ لطف کیا، احسان کیا، انعام کیا، اکرام کیا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے، خواب گئی آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے، صبح گیا، یا شام گیا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی وہاں سے آویگا
یا کہ نوشتہ اُن ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاویگا
عاشق ہووے وہ بھی یارب تا کچھ اُس سے کہا جاوے
یعنی حال سنے گا دل سے دل جو کسو سے لگاویگا

طائف رستہ کعبے کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا۔ جانب دیر اشارت کر کے راہ اُدھر کی بتلاؤنگا

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہووے گا۔ درد انگیز انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ رووے گا

دل تڑپے ہے، جان کھنچے ہے، حال جگر کا کیا ہوگا
مجنوں مجنوں لوگ کہے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا

گل ہے شستہ شستہ رنگ پر ایسا شور طیور بلند نہ تھا
اُس کے رنگ چمن میں کوئی شاید پھول نظر آیا

اب یاں سے ہم اُٹھ جاوینگے، خلق خدا ملک خدا
ہرگز نہ اِدھر پھر آوینگے، خلق خدا ملک خدا

مطلب اگر یاں گم ہوا تو اندیشہ کی جا ئے نہیں
جا کے کہیں کچھ پاوینگے، خلق خدا ملک خدا

دل میں نہ جانے کوئی ہم کہانے کو دیتے ہیں انہیں
جو ہے مقدر کھاوینگے، خلق خدا ملک خدا

گو لکھنؤ ویران ہوا ہے ہم اور آبادی میں جا
مقسوم کا اپنے لاوینگے، خلق خدا ملک خدا

اس بستی سے اُٹھ جاوینگے، درویشوں کی کیا مشورت
وہ بھی یہی فرماوینگے، خلق خدا ملک خدا

تو میر جہاں ہووے گا امر قضا کے تابع واں
روزی تجھے پہونچاوینگے، خلق خدا ملک خدا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا یہ میر عجب دیوانہ تھا

چشمِ مشتاق اُس لب و رخ سے لحہ لحہ اُٹھتی نہیں
کیا ہی لگے ہے اچھا اُسکا مکھڑا پیارا پیارا آج
اب جو نسیم معطر آئی شاید بال کھلے اُس کے
شہر کی ساری گلیاں ہوگئیں گویا عنبر سارا آج
میر ہوئے ہو بیخود کب کے آپ میں بھی ٹک تو آؤ
ہے دروازے پر انبوہ اک رفتۂ شوق تمہارا آج

وعدے کرو ہو برسوں کے تم دم کا بھروسا ہمکو نہیں
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے یاں اک پل میں اک آن کے بیچ

چشمک غمزہ عشوہ کرشمہ آن انداز و ناز و ادا
حسن سوا ہے حسن ظاہر میر بہت ہیں یار کے بیچ

وہ تو بادۂ گلشن خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح
شاخِ گل سا لچکا جائے ہے اُن نے نئی یہ ڈالی طرح
موندھے چلے ہیں چولی جیسی ہے مہری پہنتی ہے بند کسے
اُس اوباش نے پہناوے کی ایسی نرالی نکالی طرح

اپنے ہونے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں کو۔ کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے نشانوں پر
توبہ لے یا دکہنہ سے صوفی میر کو حیلہ کیا سا شہرہ کیا۔ ابر سیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑا میخانوں پر
فہم نہیں ہے سمجھ کو میرے ہاتھوں ہاتھ بیاں کے لگے۔ سو سو بار لیا ہے میں نے اُسکا نام ان دانتوں پر

دلکی حقیقت عرش کی عظمت سب ہے معلوم ہمیں پر سیر رہی ہے اپنی اکثر ان پاکیزہ مکانوں پر

عشق خدا ے خراب ہے جتنے گئے ہیں گھر کے گھر
کعبہ و دیر کے ایوانوں کے اکثر ٹوٹے پڑے ہیں در کے در

چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئی
عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھکو رسوا کر
(کر کے)

ابر سیہ قبلے سے اٹھکر آیا ہے میخانے پر - بادہ کشوں کا جھرمٹ ہے گا شیشہ اور پیمانے پر
بیتابانہ شمع پر آیا گرد پھرا پھر جل ہی گیا - اپنا جی کھچتا ہے حد سے زیادہ رات جلا پروانے پر

جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے
آنکھیں ملتے اٹھتے ہیں بستر سے دلبر جب سو کر

کیا کہیں یہ تم سے توقع خاک سے آ کے اٹھاؤ گے
راہ میں دیکھو افتادہ تو اور لگاؤ ٹھوکر..... تم

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم
آن لگے ہیں گور کنارے اسکی گلی ہیں جا جا ہم

گریہ خونیں ٹک بھی رہے تو خاک سی منہ پر اڑتی ہے شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

مدت سے پاؤں پسار رہے ہیں مدت گلخن تابی کی
برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی
جام گلوں کے خزاں میں تاکوں ہیں نکہت خوش بو بن سے گئی
مے شاید کہ تمام ہوئی ہے ہر غنچے کی گلابی کی
جیب و دامن تر رہتے ہیں آٹھ پہر کے رونے سے
قدر نہیں ہے ہمکو ہرگز اپنے جامۂ آبی کی
عشق سے میر کسو سے اتنا اب تک ظاہر ہم پہ نہ تھا
حرف یار جو منہ سے نکالا ان نے بیتابی کی

جب موسم تھا وا ہونے کا تب تو شگفتہ ٹک نہ ہوا
اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجھائی ہوئی

عشق کیا سو جان چلی ہے الفت تھی یا کلفت تھی
کوٹے گئے ہیں اعضا سارے یہ محنت تھی یا راحت تھی
اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں ضعف ہی اکثر رہتا ہے
آئے گئے اس کوچے میں جب تک جی میں طاقت تھی

وصال خوباں نکر تمنا کہ زہر شیریں لبی سے اپنے
خراب و رسوا جدا کرینگے ہلاک مل کر جدا کرینگے
مگر وہ رشک بہار سمجھے کہ رنگ اپنا ہے ہجر میں کیا
ورق خزاں میں جو زرد ہونگے غم دل انپر لکھا کرینگے

دل کی نہیں بیماری ایسی جس میں ہو امید شفا - کیا سنبھلے گا میرؔ ستم کش وہ تو مارا غم کا ہے

خواہش دل کی کس سے کہئے محرم تو ناپیدا ہے
چپ ہیں کچھ کہہ سکتے نہیں، پر جی میں ہمارے کیا کیا ہے

کام کرے کیا سعی و کوشش مطلب یاں ناپیدا تھا
دست و پا بہتیرے مارے جب تک قدرت رکھتے تھے

خوار پھرایا گلیوں گلیوں سر مارے دیواروں سے
کیا کیا اُن نے سلوک کئے ہیں شہر کے عزت داروں سے

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے - ہیں دریا دریا روتا ہوں صحرا صحرا وحشت ہے
صبح سے آنسو نومیدانہ جیسے وداعی آتا ہے - آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے

دل کی لاگ بری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹک جائے بھی - آئے بیٹھے اوٹھ بھی گئے بیتاب ہوئے پر آئے بھی

ظلم سہے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھائے ہیں درد کھنچے - اب وہ دل ہیں تاب نہیں جو لب تک آ کے سرد کھنچے

کسو ہو نہ کرے گا علاج اپنا، تپیدن دل بلائے جاں ہے
نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت مدام آنکھوں سے خوں رواں ہے

تلاش دل کی جو دلبری سے ہمارے پاس آ تمہیں رہتے ہے
ستم رسیدہ شکستہ دل بہہ گیا ہے خوں ہو کے یاں کہاں ہے

کرے ہے کیا ریہ ہیں ہوا ہے مہجور جان اجسام جب سے اپنا
ستم جدائی جہان جان کا ہمارے دل میں جہاں جہاں ہے

نہیں جو دیکھا ہے ہم نے اسکو ہوا ہے نقصان جان اپنا
او پھر نہ دیکھے ہے جو کبھو وہ نگہ کا اسکی گذر یہاں ہے

ہمارا کیونکہ ہے جو ہووے مائل نگار سیر چمن کا ہرگز
نگاہوں میں ہمارے ہو کوئی اسکا سو ایسا کسکا اب وہاں ہے

رمق ایک جان وبال ہے کوئی دم جو ہے سو عذاب ہے
دل داغ گشتہ کباب ہے جگر گداختہ آب ہے

جو وہ لکھتا کچھ بھی تو نامہ بر کوئی رہتی منہ میں تجھے زباں
تری خامشی سے یہ نکلے ہے کہ جواب خط کا جواب ہے

رہے حال دل کا جو ایک سا تو رجوع کرے کہیں بھلا
سو تو یہ کبھو یہ داغ ہے کبھو ہم سو زخم کباب ہے

نہیں کھلتیں آنکھیں تمہاری ٹک کہ مآل پہ بھی نظر کرو
یہ جو وہم کی سی نمود ہے اسے خوب دیکھو تو خواب ہے

کبھو لطف سے نہ سخن کیا کبھو بات کہہ نہ لگا لیا
کبھی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لحظہ لحظہ عتاب ہے

تو جہاں کے بحر عمیق میں سر پُر ہوا نہ بلند کر
کہ یہ پنج روزہ جو بود ہے کسو موج پر کا حباب ہے

کئی دن سلوک وداع کا مرے درپئے دل زار تھا
کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھی زخم تھا کبھو وار تھا

دم صبح بزم خوش جہان شب غم سے کم نہ تھی مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دود تھا جو پتنگ تھا سو غبار تھا

دلِ خستہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھی سوز سینہ سے داغ تھا کبھی درد غم سے فگار تھا

دل مضطرب سے گذر گئی شب وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا تو ہمارے دل سے لہو بہا
کہ وہیں وہ ناوک بے خطا کسو کے کلیجے کے پار تھا

یہ تمہاری اندنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خوں چکاں
وہی آفت دل عاشقاں کسی وقت ہم سے بھی یار تھا

نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی
اسے جب سے ذوق شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائیگی جو ادھر صبا تو یہ کہیو اس سے کہ بے وفا
مگر ایک میر شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا

سن گوش دل سے اب تو سمجھ بےخبر کہیں ۔ مذکور ہو چکا ہے میرا حال ہر کہیں
اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں اطراف باغ ہونگے پڑے مشت پر کہیں

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے حال جگر کا کیا ہوگا مجنوں مجنوں لوگ کہیں ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا
دیدۂ تر کو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی ۔ آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہوگا

کیا جانیں آشفتہ دلاں کچھ اُنسے ہمکو بحث نہیں ۔ وہ جانیگا حال ہمارا جسکا دل ہم سا ہوگا
دل کی لاگ کہیں جو ہو تو میرؔ چھپائے اسکو رکھہ
یعنی عشق ہوا ظاہر تو لوگوں میں رسوا ہوگا

کب تلک بیقرار رہیگا — کچھ تو ملنے کا ہو قرار اے کاش
راہ تکتے تو پھٹ گئیں آنکھیں — اسکا کرتے نہ انتظار اے کاش
اسکی پامالی سرفرازی ہے — راہ میں ہو ہمارا مزار اے کاش
اب وہی میرؔ جی کہاتا ہے
ہمکو ہوتا نہ اس سے پیار اے کاش

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے — درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے — ناتواں اک غبار اُٹھتا ہے
ہے بگولہ غبار کس کا میرؔ
کہ جو ہو بیقرار اُٹھتا ہے

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے ۔ اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں — گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے
مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں — تھا جنسے لطف زندگی وے یار مر گئے

---

(۵۹)

خوب تھے وے دن کہ ہم تیرے گرفتاروں میں تھے ۔ غمزدوں اندوہ گینوں ظلم کے ماروں میں تھے
دشمن جانی ہوا اب تو ہمیں غیروں کے لیے — اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے
مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے اودھر آنکھ اُٹھا — آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے
اک رہا مژگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے
دل جگر جو میرؔ دونوں اپنے غمخواروں میں تھے

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہیگا دل - تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جاے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائیگا
گو بے ستون کو ٹال دے آگے سے کوہکن سنگ گران عشق اٹھایا نہ جائیگا ؟
یاد اسکی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائیگا
دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزالوں کا وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا
عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گئی آرام گیا - جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

ہے یہ بازار جنون منڈی ہے دیوانوں کی - یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب - یہی اک رہگئی ہے بستی مسلمانوں کی
کیونکہ کہئے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا - گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

قصد اگر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرتے ہیں سرکشیاں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

بن جو کچھ بن سکے جوانی میں
رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سوانگ
میر بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

ہوئے سہتے سہتے جفاکاریاں
کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں
ہماری تو گزری اسی طور عمر
یہی نالہ کرنا یہی زاریاں

فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا — مری آہ نے برچھیاں ماریاں
گیا جان سے یک جہان ایک شوخ — نہ تجھ سے گئیں یہ دل آزاریاں
خط و کاکل و زلف و انداز و ناز — ہوئیں دام رہ صد گرفتاریاں
کیا درد و غم نے مجھے نا امید — کہ مجنوں کو یہ بھی تھیں بیماریاں
تری آشنائی سے ہے حد ہوئی — بہت کی ہیں دنیا میں ہم یاریاں
نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں — کھنچیں میرؔ تجھ سے ہی یہ خواریاں

کیا جلی جاتی ہے خوبی میں تو اپنی اے شمع — کہ پتنگے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی
اب کے برسات کے ہی دوسہ تہا عالم کا وہاں — میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی
ان دلوں نکلے ہے آغشتہ بخون رات کو نکلو — دشمن ہے نالے کو کسی دل میں اثر کرنے کی
عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر ٹپکے — صورت اک یہ ہی رہی عمر بسر کرنے کی

ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اُس کے لب کی کیا کہیئے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں — حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز — اُسی خانہ خراب کی سی ہے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

اشک خونیں آنکھوں میں بھر کے پی جاتا ہوں میں۔ محتسب رکھتا ہے مجھ پہ تہمت میخوار گی
ست فریب سادگی کھا ان سیاہ چشموں کا میرؔ ان کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے بڑی عیار گی

تم اور ہم سے محبت تمہیں خلاف خلاف - ہم اور الفت خوب دگر دروغ دروغ
غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنگ غافل   تم اور پوچھو ہماری خبر دروغ دروغ
کسو کے کہنے سے مت بدگمان ہو میر سے تو
وہ اور اُس کو کسی پر نظر دروغ دروغ

فردیات

مفت آبروئے زاہد علامہ لے گیا   اِک مغبچہ اُتار کے عمامہ لیگیا

—— ... ——

تمہیں تو زہد و رارع پر بہت ہے اپنے غرور - خدا ہے شیخ جی ہم بھی گنہگاروں کا

—— ... ——

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا   موم سمجھے تھے ترے دلکو سو پتھر نکلا

—— ... ——

ہر قدم پر تھی اسکی منزل لیک   سر سے سودائے جستجو نہ گیا

—— ... ——

دل کے ویرانے کا کیا مذکور ہے   یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا ؟

—— ... ——

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر   مذہب عشق اختیار کیا

—— ... ——

دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید رات کو   کشمکش میں بیقراری کی یہ پھوڑا چھل گیا
چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا   ہم نے جانا تھا اکہ بس اب تو یہ ناسور گیا

—— ... ——

وہ نہانے لگا تو سایۂ زلف　　بحر میں تو کہے کہ جال پڑا

...

شریف مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ　　یہ میر اب جو گدا ہے شراب خانے کا

...

جو اس شور سے میر روتا رہیگا　　تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا

...

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا　　اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا

...

وصیت میر نے مجھکو یہی کی　　کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

...

یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں　　مجھے چاہیئے ہے جس سے بہت احتراز کرنا

...

کبھو تو دیر میں ہوں میں کبھی ہوں کعبہ میں　　کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اُس در کا

...

بہت رونے نے رسوا کر دکھایا　　نہ چاہت کی چھپی ہم سے علامت

...

جسطرح جی سے گذر جاتے ہیں آنکھیں موندکر　　دیدنی ہے دردمندوں کی بھی مر جانے کیطرح

...

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات　　اب یہی روزگار ہے اپنا

...

تربت میر پہ چلے تم دیر　　اتنی مدت میں وہاں رہا کیا خاک

کہتے تو ہو یون کہتے یون کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

تم دل سے جو گئے تو خرابی بہت ہی
پھر بھی بساؤ آکے اس اجڑے نگر کے تئین

جو عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجکو
جی خود بخود اے ہمدم کاہے کو کہپا جاتا

کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل
لا اُبالی سا ہے پر کامل ہے میان

کل نہ آنے میں ایک یان تیرے
آج سو سو طرف گمان گیا

جہان سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستان ہو

میر اٹھہ بتکدے سے کعبے گیا
کیا کرے جو خدا خراب کرے

کوئی سادہ ہی اسکو سادہ کہے
لگے ہے ہمیں تو وہ عیار سا

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے میر حال تیرا

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جوان کو میں

جب سے جہان ہے ہے سحر تیری کرون ہون جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

چمن کا نام سنا تھا و لے نہ دیکھا ہائے — جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

...

لیتا ہی نکلتا ہے میرا لخت جگر اشک — آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

...

اپنے کوچہ سے نکلیو تو سنبھالے دامن — یادگار قطرہ مہر ہیں وان خار کئی

...

ہو گئی شہر شہر رسوائی — دے میری موت تو بھلی آئی

...

مرے تغیر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

...

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے — جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

...

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے — آب ہو جائے کہ یہ دل خلائے پہلو ہے

...

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے — دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے

...

سر مارنا پتھر سے یا ٹکڑے جگر کرنا — اس عشق کی وادی میں ہر نوع بسر کرنا

...

خط بھیج کے بھی شوق کی باتیں چلی گئیں — قاصد کے پیچھے دور تلک میں لگا گیا

...

ہر جنس کے خواہاں ملے بازار جہاں میں — لیکن نہ ملا کوئی خریدار محبت

مرے سنگِ مزار پر فرہاد — رکھہ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

میر صاحب زمانہ نازک ہے — دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار

ایک دو ہوں تو سحرِ چشم کہوں — کارخانہ ہے واں تو جادو کا

ہنگامہ مرے نعش پہ تیری گلی میں ہے — لیجائینگے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے

کیا میر ہے یہی جو ترے در پہ کھڑا تھا — نمناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز۔ آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

مانگ پناہ خدا سے بندے دل لگنا اک آفت ہے
عشق نہ کر زنہار نہ کر واللہ نہ کر باللہ نہ کر

کوئی تو آبلہ پا دشتِ جنوں سے گذرا۔ ڈوبا ہی جائے ہے لوہو میں سرِ خار ہنوز

مژگان بھی بہ گئیں مرے رونے سے چشم کی سیلاب موج مارے تو ٹھیرے ہے کوئی خس

اک دن میں نے لکھا تھا اسکو اپنا دردِ دل۔ آج تک جاتا نہیں خامہ کے سینے سے شگاف

احوال نہ پوچھو کچھ ہم ظلم رسیدوں کا — کیا حال محبت کے آزار کشیدوں کا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا — لوٹا مارا ہے حسن والوں کا

پہونچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر - اس پر بھی جی میں آوے تو دلکو لگائیے

نامرادانہ زیست کرتا تھا — میر کا طور یاد ہے ہمکو

تلوار کے تلے ہی گیا عہد انبساط — مر مر کے ہمنے کاٹی ہیں اپنی جوانیاں

تلوار غرق خوں ہے آنکھیں گلابیاں ہیں — دیکھیں تو تیری کیسی یہ بد شرابیاں ہیں

حیران ہوں میر نزع میں اب کیا کروں بھلا — احوال دل بہت ہے مجھے فرصت یک نفس

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلینگے دم لیکر

پوچھا جو میں نے درد محبت سے میر کو — رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹک ایک ہنسکے رودیا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا - بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا

کرتے ہو تم نیچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے - برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملاتے

گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ عجب عشق بازی کا دستور ہے

آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹی بھی درد مندی میں کٹی ساری جوانی اسکی

عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا ہوئے ہوئے کوئی کہا جاتا ہے جی

فرہاد وقیس جس سے مجھے چاہو پوچھ لو - مشہور ہے فقیر بھی اہل وفا کے بیچ

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

بیکسی مدت تلک برسا کی اپنے گور پر جو ہماری خاک پر سے ہو کے گذرا رو گیا

دل کی نہیں بیماری ایسی جسمیں ہو امید بھی کچھ کیا سنبھلے گا میر ستم کش وہ تو مارا غم کا ہے

عاشقی وہ روگ ہے جسمیں کہ ہو جاتی ہے یاس - اچھے ہوتے کم سنا ہے میر آس آزار کو

نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبیہ یار کھینچوں ہوں ایک نازہی اسکا میں اب تلک

اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش جی ہی نکل گیا جو کہا اس نے ہائے گل

چاہیں تو تمکو چاہیں دیکھیں تو تمکو دیکھیں   خواہش دلوں کی تم ہو آنکھوں کی آرزو تم

———— • • • ————

ہمنے اپنی سی کی بہت لیکن   مرض عشق کا علاج نہیں

———— • • • ————

متصل روتے ہی رہئے تو بجھے آتش دل ۔ ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

———— • • • ————

مجھ دوآنے کی مت ہلا زنجیر   کہیں ایسا نہو کہ پھر غل ہو

———— • • • ————

اک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم   تسپر بھی ترے خاطر نازک پہ گران ہوں

———— • • • ————

پیراہن صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ   تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبرن کو

———— • • • ————

سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط   کیا عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

———— • • • ————

یک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں   یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں

———— • • • ————

گیا کوچے سے تیرے اٹھ کے میر آشفتہ سر شاید ۔ پڑا دیکھا تھا مینے رہ میں اسکے سنگ بالیں کو

———— • • • ————

یہ جو چشم پرآب ہیں دونوں   ایک خانہ خراب ہیں دونوں

———— • • • ————

ڈوبے اچھلے ہے آفتاب منور   کہیں دیکھا تھا اُس کو دریا پر

گر مئے عشق مانع نشو و نما ہوئی　　میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا

هوئی ہے اتنی ترے عکس زلف سے حیراں　کہ موج بحر سے مطلق بہا نہیں جاتا

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے　　اُسکی آنکھوں کی نیم خوابی سے

مستی شراب کی سی ہے یہ آمد شباب　　ایسا نہو کہ تمکو جوانی نشا کرے

میرجی راز عشق ہوگا فاش　　چشم ہر لحظہ مت پُر آب کرو

کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تمنے　　اب جب چلو ہو دیکھو ٹھوکر لگا کرے ہے

ابکی جنوں میں فاصلہ شاید ہی کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

بیٹھنے دے ہے کون پھر اس کو　　جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے

وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

گلیوں میں اب تلک بھی مذکور ہے ہمارا　　افسانہ محبت مشہور ہے ہمارا

سرسری تم جہان سے گذرے　　ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے　　پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر

بے خودی پر نہ میر کے جاؤ　　تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

عشق کرنا نہیں آسان بہت مشکل ہے　　چھاتی پتھر کی ہے اُنکی جو وفا کرتے ہیں

کوئی کانٹا سرِ رہ کا ہماری خاک پر بس ہے - گل گلزار کیا درکار ہے گورِ غریبان کو

ہائے اس زخمیٔ شمشیرِ محبت کا جگر　　درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

نالۂ شب نے کیا ہے جو اثر مت پوچھو　　ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر مت پوچھو

رہنے سے مرے پاس کے بدنام ہوئے تم　　اب جا کے رہو واں کہیں رسوا نہ جہاں ہو

لب پہ شیون، مژہ پہ خون و نگہ میں اک یاس
دن گیا ہجر کا جس ڈھنگ سے شب مت پوچھو

اب جو اک حسرت جوانی ہے　　عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے

دلکو دوں کہ یا جگر کو میر   میری دونوں سے آشنائی تھی

فرصت میں یکنفس کے کیا درد دل سنوگے   آئے تو تم ولیکن وقت اخیر آئے

کس کو ہر دم ہو لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دلکو اک ربط سا ہے دیدۂ خونبار کے ساتھ

عمر بھر ہم رہے شرابی سے   دل پر خون کی اک گلابی سے

سجدہ اک صبح تیرے در کا کر دل اس خاطر
بیٹھے سحرالیوں میں راتوں کو دعا کیا کیا کی

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا   سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی   میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

اول عشق ہی میں میر جی تم رونے لگے - خاک ابھی منہ کو ملو نالہ و فریاد کرو

تم چھیڑتے ہو بزم میں مجکو تو ہنسی سے   پر چہرہ پہ جو ہو جائے ہے پوچھو مرے جی سے

کاہیکو بیٹھے میر کو چھیڑا کہ ان نے آج   یہ درد دل کہا کہ تجھے درد سر رہا

کس کی مسجد کیسے میخانے کہاں کے شیخ و شاب ۔ ایک گردش میں ترے چشم سیاہ کے سب خراب

زندگی کسکے بھروسہ پہ محبت میں کروں ۔ اک دل غمزدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بیچ

مجھسے لینے لگے ہیں عبرت لوگ ۔ عاشقی میں یہ اعتبار ہوا

تمت بالخیر

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپا